

نئی مسلمان نسل اور دینی تعلیم

تحریر۔ حضرت سید محمد وجیہ السیما عرفانی چشتی

آستانہ عالیہ عرفانیہ چشتیہ سندھ شریف ملتان روڈ لاہور

نئی مسلمان نسل اور دینی تعلیم

تحریر۔ حضرت سید محمد وجیہ السیما عرفانی چشتی



نئی مسلمان نسل اور دینی تعلیم

تحریر۔ حضرت سید محمد وجیہ السیما عرفانی چشتی

مجھے آج جس موضوع پر کچھ عرض کرنا ہے وہ ہے ”نئی مسلمان نسل اور دینی تعلیم“ آغاز گفتگو میں مجھے یہ کہنا ہے کہ میرے نزدیک دین اسلام میں دین و دنیا کا یہ تصور کہ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، موجود ہی نہیں۔ میں یہ عرض کرنے کی جسارت کرنا چاہتا ہوں کہ زندگی کا مذہبی پہلو اور دنیوی پہلو دوسرے تمام مذاہب یا تصورات حیات میں موجود ہے۔ یاد رہے کہ میں نے مذاہب کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی وہ تصوراتی دائرے جو زمانی یا مکانی مختلف عوامل کے تحت خود انسانی کاوش کی تخلیق ہیں۔ لفظ دین کا معنی ہے وہ اسلوب حیات جو انسان کے انفرادی اور اجتماعی ہر ایک پہلو پر محیط ہو اور اس مفہوم و معنی میں دین صرف اور صرف اسلام ہے جو انسان کے خالق نے انسان کے لئے طے کیا ہے اور جس کی مکمل آخری، حتمی اور تمامی دستاویز وہ وحی حق ہے جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اسلام کے اس آخری اور مکمل دستور کے مطابق ہماری پوری زندگی کا ایک خاص اسلوب میں ڈھل جانا ہی اسلام ہے۔ اس میں ہمارے قلب و ضمیر، نیت و عمل اور افتاد و مزاج سے لے کر ہمارے دنیوی شب و روز تک ہر شے شامل ہے۔ اس طرح ہماری دنیا بھی ہمارا دین ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے دین نے ہمارے لئے لازم قرار دیا ہے کہ ہم علم حاصل کریں ہر طرح کا علم، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد عالی کے مطابق ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے طلب علم فرض ہے۔ قرآن حکیم جہاں ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ یہ علم حاصل کرو کہ ایک فرد انسان اور اس کے قلب کے درمیان ہی کہیں اللہ جل شانہ ہے، وہیں یہ حکم بھی دیا کہ یہ علم حاصل کرو کہ زمین پر ہر وقت

ایک موت وارد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے بعد پھر اسے حیات عطا فرماتا رہتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قلبی واردات، ذہنی کیفیات اور مزاجی معاملات کے ساتھ ساتھ اس کائنات کی ہر شے اور زمین و آسمان کی جمیع موجودات کا ہمیں علم حاصل کرنا ہے۔ جہاں ہمیں نماز و عبادات کی اصل کیفیات سے آگاہی حاصل کرنا ہے وہیں ہمیں اس پوری کائنات کے عالم مشاہدات سے بھی واقف ہونا ہے۔ خواہ وہ سیاروں کا علم ہو یا زمین کی تہہ میں موجود قدرتی عوامل و اشیاء کا شعور و دسترس۔ اس طرح میرے نزدیک بطور مسلمان کے ہمیں جمیع علوم ایک ساتھ حاصل کرنے ہیں۔ اُن میں جہاں نمازیں ادا کرنے کے صحیح طریقے اور عبادات میں خشوع و حضور کی کیفیات سیکھنی ہیں وہاں قرآن و حدیث کی سمجھ کے لئے تفسیر، اصول اور صرف و نحو کو جاننا ہے۔

اس کے ساتھ ہی ان تمام علوم پر دسترس حاصل کرنا ہے جو کائنات کن فیکون کو نکھارتے ہیں جنہیں ہم سائنس کے خوبصورت لفظ سے تعبیر کرتے ہیں ان اصولی معروضات کے بعد مجھے عرض کرنا ہے کہ ہم نے نامعلوم کس طرح اور کب علم جیسی اہم ضروری اور لازم شے کو بھی اغیار کے زیر اثر دو طبقوں میں بانٹ رکھا ہے اور عام چلتی بات یہی کہی جاتی ہے کہ دینی علوم کچھ اور ہیں اور دنیوی علوم کچھ اور۔ جب ہمارے دین کے دائرے میں دنیا بھی محیط ہے تو یہ تقسیم محض نامناسب ہے اور مجھے تو یہی خیال آتا ہے کہ یہ اصطلاح ہمارے دور محکومی سے رائج ہوئی۔ جب غیر ملکی حکمرانوں نے تعلیمی اداروں کے لئے جو نصاب رائج کئے اُن میں دینیات کو ایک الگ مضمون رکھا گیا۔ اس طرح بالواسطہ انداز سے سائنسی اور دوسرے علوم کو غیر دینی مضامین کا تصور دیا گیا اور ہمارے دین دار طبقے نے سادگی کی بناء پر اس تقسیم کو ایسا تسلیم کیا کہ ان کی ذیلی شعور میں سائنٹفک انسانی اور فنی علوم گویا کچھ غیر دینی سے علوم کی شکل اختیار کر گئے اور نیک جذبے کے ساتھ لیکن نا فہمی کے باعث ان سے چڑتے رہے۔ ایک اور بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ سائنسی، فنی اور انسانی علوم ہمارے ماضی میں ہمیشہ ایسے ضروری سمجھے جاتے رہے کہ خود یورپ

نے بھی یہ علوم مسلمانوں ہی سے اخذ کئے تاہم انہیں صدیوں کے طویل دور میں کبھی دینی یا غیر دینی نہیں سمجھا گیا بلکہ انہیں علوم منقول اور علم معقول دوناموں سے یاد کیا جاتا رہا اور یہ دونوں علوم ایک ساتھ مقبول بھی رہے اور رائج بھی۔ علم منقول میں یہ مضامین شامل سمجھے جاتے رہے۔ علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، اصول، تفسیر، اصول حدیث، اصول فقہ، عقائد، اسماء الرجال، مناظرہ بدیع بیان، معانی اور دوسرے وہ مضامین جو ان کی مکمل تحصیل کے لئے مفید ہوں۔ علوم معقول میں ریاضی، فلسفہ، کلام، منطق، ہیئت، فلکیات، اقلیدس اور طب وغیرہ کو شامل رکھا گیا۔ یہ علوم معقول وہی ہیں جو اب ترقی یافتہ شکل میں ہمارے ہاں موجود ہیں، انہی کو سائنسی علوم کہا جاتا ہے اور شائد علم معقول اور سائنس نا لچ ایک دوسرے کا ترجمہ ہی ہیں البتہ اب ہم علوم، ان کی تحصیل اور ان کی تدریس کی دو شکلیں دیکھتے ہیں جو ذہنی انداز سے ایک دوسری کے عین مقابل کھڑی ہیں۔

یہ تعلیم و تعلم کے دو مختلف نظام ہیں۔ ایک وہ ہے جو ہمارے ہاں ان مدارس میں پڑھا جاتا ہے جنہیں ہم عرف عام میں عربی یا دینی مدارس کا نام دیتے ہیں اور دوسرا وہ جو سکولوں اور کالجوں پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں نظام ایک دوسرے کے اس طرح مقابل ہیں کہ ایک طبقہ دوسرے کو پس ماندہ، فرسودہ اور بے بہرہ گردانتا ہے اور دوسرے پہلے طبقے کو مغرب زدہ، دین سے بے بہرہ اور کچھ کا کچھ سمجھتا ہے۔ دونوں الزامات نہ بالکل صحیح ہیں اور نہ قطعی غلط ہیں۔ ہمارے لئے صحیح راہ عمل یہ ہے کہ ہم دونوں کی اچھی باتیں لے کر پڑھیں اور دونوں میں جو غلط باتیں رواج پائے ہوئے ہیں ان کو ترک کر کے یکساں اور یک رنگ طریق تعلیم رائج کریں۔ بس یہ ہے ہماری نئی نسل کی سب سے اہم اور اشد ضرورت۔ ہمارا اصل مسئلہ یہی ہے اس لئے اس پر ذرا تفصیل سے بات کرنے کی اجازت دیں۔ عربی یا دینی مدارس کی شکل یہ ہے کہ زیادہ تر مساجد میں یا حجروں وغیرہ میں ایک یا زائد استاد طلبہ کو پڑھاتے ہیں۔ یہ نظام تعلیم درس نظامی کے نام سے مشہور ہے اور اصولی طور پر اس کا مکمل کورس تیرہ سال کا ہے۔ آج کل اس کی ایک

حیثیت تو یہ ہے کہ یہ اپنی اصلی حالت میں ہرگز موجود نہیں ہے بلکہ اس کو آسان اور سہل بناتے بناتے اس کی تکمیل کی حیثیت اصل سے آدھی بھی شاید باقی نہ رہے۔ اصلاً درس نظامی صرف ونحو اور فارسی تعلیم سے آغاز ہوتا تھا۔ فارسی میں نظم و نثر پر مکمل دسترس کے بعد عربی تک پہنچا جاتا تھا اور نحو کی تکمیل کے بعد تفسیر، ادب، فقہ، حدیث، منطق، فلسفہ اور عقائد وغیرہ کی ابتدائی کتابیں۔ پھر ان سے بڑی، پھر ان سے بڑی اور آخر میں حدیث کی منہی کتابوں کا دور ہوتا تھا۔ اب تو ان میں شاید سو میں سے کوئی ایک عالم ہوگا جو قاضی مبارک، شرح چغمینی، اصول ہندسہ، تخریج، بیضاوی مکمل مع کشاف، متنبی، حریری مکمل، مسطول مکمل، شرح صدور وغیرہ کو جانتا یا پڑھتا ہو، خوشنویسی اور طب تو ایک زمانے سے ویسے ہی ترک کئے جا چکے ہیں۔ دوسری اہم بات درس نظامی میں یہ ہے کہ معقولیات کی جو کتابیں ہیں وہ اگرچہ عربی میں ہیں تاہم وہ دراصل یونانی یا غیر مسلم مصنفوں کی لکھی ہوتی تھیں جنہیں مسلمانوں کی علمی ترقیات کے دور میں عربی میں ترجمہ کیا گیا تھا اور یہ کوئی آٹھ نو صدی پہلے کی لکھی ہوئی ہیں۔

اب سے نو دس صدی پہلے تو یہ کتابیں کام ہی کی چیزیں تھیں لیکن اب تک علوم کہاں سے کہاں نکل گئے ہیں۔ اب تو انسان چاند پر اپنی زمین کے جھنڈے گاڑ آیا ہے لیکن ہمارے حضرات صدیوں پیچھے کے اوراق کو صرف اس لئے چمٹائے بیٹھے ہیں کہ وہ عربی زبان میں ہیں اور انسان علمی ترقی سے صرف اس لئے نفرت کرتے ہیں کہ اس کا زیادہ تحریری سرمایہ غیر عربی زبان میں ہے۔ میں بڑے صدق دل سے معافی چاہتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ ہمارے اس دینی طبقے کی کثیر تعداد اب بھی یہ یقین رکھتی ہے کہ زمین ایک پلیٹ یعنی تھالی کی طرح چپٹی ہے اور سورج بس طلوع اور غروب ہوتا رہتا ہے۔ یہ طبقہ زمین کو گول کہنے والے کو خارج از اسلام قرار دینے سے بھی گریز نہیں کرتا حالانکہ خلا اور فضا بے بسیت کی کائنات کے جدید ترین علوم پر دسترس ہونے ہی سے کلام حق کی صداقت لازوال سامنے آتی ہے۔ اب ہمارا دوسرا نظام تعلیم ہے جو سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں وغیرہ میں رائج ہے اس میں جدید علوم

پڑھائے جاتے ہیں۔ انجینئرنگ ہے، میڈیکل ہے، زراعت ہے، ارضیات ہیں اور دوسرے بہت سے اہم لازم اور ضروری علوم ہیں ان اداروں میں ہر درجے پر دینیات اب ہمارے ہاں لازمی مضمون ہے لیکن جیسے کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس نظام تعلیم کی بنیاد چونکہ ایک جداگانہ نظریے پر رکھی گئی تھی اس لئے وہ روح اس میں اب بھی کارفرما ہے کہ دینیات مجموعی زیر تعلیم علوم کا کوئی آٹھواں حصہ بنتا ہے۔ ان دونوں نظاموں کے پڑھے ہوئے حضرات کے بارے میں مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلے لوگ باشریعت اور دین دار تو ہوتے ہیں لیکن علوم کے میدان اور معاشرتی فضا میں سخت پسماندہ ہوتے ہیں۔ ذہنی اور نظریاتی وسعت ان کے نصیب میں کم آتی ہے اور دوسرے لوگ عام زندگی کی فضاؤں میں انسان کے کام آئیوالے علوم تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن دین داری، تقویٰ، تفسیر، حدیث، فقہ اور عقائد کے ضروری علوم پر دسترس سے تنگ دامن رہتے ہیں۔ استثناء دونوں طرف ہوتا ہے لیکن اکثریت کا حال یہی ہے۔ اب مسئلہ ہماری نئی نسل کا ہے جو گزر چکا سو گزر چکا۔

ہمیں نئی نسل کو ایک مثالی ملت بنانا ہے یعنی آج کے بچوں اور نوجوانوں کو ایسا بنانا ہے کہ وہ جہاں شریعت پر مکمل عمل کرتے ہوں، وہاں قرآن حکیم کا علم اور اس پر عمل ان کا مکمل شعار ہو۔ حدیث و فقہ انہیں ازبر ہو۔ تفسیر اور علوم دین پر انہیں مکمل دسترس ہو وہاں ترقی یافتہ دنیا کے تمام تر علوم بھی ان کی زد میں ہو۔ وہ پورے کرہ ارض کی انسانیات سے آگاہ ہو۔ حکمت، سیاست، شریعت، دانش، تقویٰ، بالغ نظری، کمال ایمان، سائنسی ترقیات، اخلاص باللہ، تعلق بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلائی ترقیات، ارضی و فلکی علوم سب پر حاوی ہو۔ یہ وہ فرض ہے کہ جو آج کے ان لوگوں کے ذمے ہے جن کے بعد آج کے نوجوان کو آنا ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ یہ بچے صرف علوم کے میدان میں زرخیزی، کشف، بیضاوی، مسلم الثبوت، صحاح ستہ، درمختار، قاضی خاں، حماسہ، معلقہ، سعدی، خسرو، اقبال، کشف المحجوب، غالب، شیکسپیر، کیٹس، معاشیات کے جدید نظریات، جغرافیہ، حریات اور تاریخ وغیرہ کے انتہائی ترقی یافتہ علوم پر بیک

وقت حاوی بنائے جائیں پھر انہیں بہترین انسان اور بہترین دین دار مسلمان بنایا جائے اور دین حق ان کے رگ و پے میں، ان کے شب و روز میں، ان کا ساز و برگ قرار پائے۔ اس کے لئے دو باتیں ضروری ہیں کہ وہ یہ کہ تعلیم کے قدیم اور جدید دونوں نظاموں کو ملا کر ایک نظام بنایا جائے جس میں پہلے دین داری ہو مگر پسماندگی نہ ہو اور دوسرے کی ہوش مندی ہو مگر قلب ایمان اور کیف حق سے کم مائیگی نہ ہو۔ قرآن، حدیث اور اجماع سے متعلق علوم پر دسترس ہمارے اسلامی شخص کے لئے ضروری ہے تو اس میں درس نظامی کے اسلوب کو کیوں نہ اپنایا جائے جس میں تجوید، حفظ قرآن، صرف و نحو، ادب، بیان و معانی، تنقید اور اصول کے علم کی فراوانی ہے انہی سے قرآن و حدیث پورے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ مغربی زبانوں اور علوم پر دسترس کا جدید ترین اسلوب اور سائنسی و ٹیکنیکل علوم کی تدریس کا بہتر نظام جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہے اس کے ساتھ ساتھ رکھا جائے۔ اس طرح ہم آنے والی بہتر قوم تیار کر سکیں گے۔ تعلیم ہی انسان کو صحیح انسان بناتی ہے۔ ہمیں تو صحیح اور سچا مسلمان بننا ہے، یعنی ایسا کہ بقول علامہ اقبال

مومن بالائے ہر بالاترے، غیرت او بر شائد ہمسرے

اس کے لئے ہمیں ہمہ گیر علوم اولین و آخرین سیکھنے اور سکھانے ہیں۔ اسلامی روح جتنا پیچھے جائیں تو انا ہوگی اور ترقیات جتنا آگے بڑھیں اپنا حق ادا کریں گی۔ ہمیں سچا مومن اور ترقی یافتہ قوم بن کے رہنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہماری دوسری ضرورت یہ ہے کہ ہمیں بہتر، صحیح، سچے اور اعلیٰ اساتذہ چاہئیں۔ ہمہ گیر اور بہترین نظام تعلیم بنا کے اس کے نتائج صرف اس صورت میں مل سکتے ہیں کہ ہماری نئی نسل کے استاد مثالی ہوں۔ صاحب تقویٰ، صاحب علم، دین دار، ترقی یافتہ، وہ استاد جو بڑے ہی لائق ہوں۔ بڑے ہی نیک ہوں، وہ ہماری نئی نسل کو بالاتر بنائیں اور خود اللہ والے ہوں۔

ایسے کہ بس جیسے ہونے چاہئیں۔ اس تعلیم سے اور ایسے استادوں سے ہماری نئی نسل وہ تیار ہوگی کہ ان کی

زبانوں پر درود و سلام ہوگا۔ پیشانیوں میں سبحان ربی الاعلیٰ کے انوار ہوں گے۔ قرآن حکیم کی عظمتوں کے امین ہوں گے۔ ان میں قومی جذبہ ہوگا اور خلاء ملا اُن کے دست تسخیر میں ہوں گے، اللہ کرے کہ ایسا ہو کر رہے۔



بزرگ عرفانی

Irfania IT Center